

پاک بھروسے کے صحرا میں

حمیرا نگاہ

ڈاٹ کام

www.paksociety.com

خوشی کے لمحے مختصر ہوتے ہیں جبکہ دکھ اور تکلیف کا دورانیہ کم ہو تب بھی بہت لگتا ہے اور انکے گزر جانے کے بعد انہیں بھلا دینا آسان نہیں ہوتا۔ اسکے ساتھ بھی تو کچھ ایسا ہی ہوا تھا مگر اسکے لئے بھلانا آسان نہیں، ناممکن تھا۔

موس بدل چکا تھا۔ سردی دھیرے دھیرے رخصت ہو رہی تھی۔ پیڑوں پر کونپلیں پھوٹ رہی تھیں، ساری وادیاں پھر سے سرسبز ہو گئی تھیں۔ پہاڑوں نے سبز مخمل کا لباس پہن لیا تھا۔ میٹھی میٹھی خوابناک جزیروں کی سطح پر بچھی ہوئی سرسبز گھاس، روح میں اتر جانے والی خوشبو کیساتھ پھولوں کی پیشانی پر بوسہ دے رہی تھی۔ سفید برف اس طرح پھگل رہی تھی جیسے آنسو بہتے ہوں۔ پھولوں کی جوانی کا موسم پورے عروج پر تھا۔ باداموں کے جھنڈ سے گزرنے والی ہواتالیاں بجا کر جوش و خروش سے بہار کا استقبال کرنے میں ہمہ تن گوش تھی۔ انگور کی بیللیں، شہتوت کی ڈال اور لہلہاتی کھیتیاں، قدرت کی رعنائیاں سب کچھ تو تھا اسکے پاس لیکن اندر دل ی گہرائیوں میں جمی برف کی وجہ سے موسم سرد تھا۔ روح کی تنہائیوں میں کہیں بہت گہرا درد تھا جو اسے ان بدلتے موسموں سے، گنگناتے آبناروں سے لطف اندوز نہ ہونے دیتا، وہ کتنی دفعہ ٹوٹ کے بکھری تھی، بس وہی جانتی تھی، اسکے زخموں پر کسی نے مرہم نہ رکھا۔ بظاہر اسکا زخم بھر گیا لیکن اندر سے آج بھی زخم ہر ا تھا۔ وہ چپ چاپ باداموں کے باغ میں بیٹھی، ٹھنڈی میٹھی ہوا کو اپنے اندر اُتار رہی تھی تاکہ وہ آگ بجھ سکے جو کئی سال قبل اسکے من میں لگی تھی لیکن وہ آگ بجھنے کی بجائے مزید بھڑکتی جا رہی تھی۔ "واہ خدا کیا نظام ہستی ہے تیرا کہ کچھ لوگ تو راہوں میں کانٹے بو کر منزل پالیتے ہیں، نیک نامی حاصل کر لیتے ہیں اور کچھ راستے میں پگول اگانے کے بعد بھی بدنامی کا داغ چہرے پر سجا لیتے ہیں۔ کوئی دو قدم چلے تو منزل مقدر ٹھہرتی ہے اور کوئی کسی کے قدموں کی خاک بن کر بھی منزل تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔" اس سے پہلے کہ اسکی سوچیں اسے ماضی میں دھکیلتیں، ننھی مریم کی آواز اسے حال میں واپس کھینچ لائی۔

"ماما! جلدی گھر چلیں آپکو ناوبلا رہے ہیں۔" وہ اسے جھنجھوڑ رہی تھی۔

"ہوں۔۔۔ اچھا۔۔۔ چلو،" وہ گڑبڑائی جلدی سے ڈوپٹے کے پلو سے برستی آنکھوں کو صاف کیا اور ڈوپٹہ اچھی طرح اوڑھنے کے بعد مریم کیساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی حویلی کی جانب چل دی۔

"ماما! آپ رو رہی تھیں نا۔۔۔ آپکو بابا یاد آرہے تھے نا؟"۔ مریم منہ بسور کر رہی کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہو بیٹا! چلو نا۔ نانو کھانے پر انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ اسے بہلانے لگی لیکن مریم ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"پہلے بتائیں آپ کیوں رو رہی تھیں؟" وہ اتنی چھوٹی سی عمر میں ہی بہت حساس تھی۔ کسی کا ایک آنسو اسے بہت پریشان کر دیتا تھا۔ وہ کسی کو رنجیدہ اور تکلیف میں نہ دیکھ سکتی تھی۔

"کچھ نہیں ہوا۔۔۔" وہ اسے کیا بتاتی کہ ماضی کی پرچھائیاں اب تک اسکے حال سے لپٹی ہیں یا پھر یہ کہ اس کے ناکردہ گناہوں کی بہت بڑی سزا مل رہی ہے۔ وہ خاموش رہی۔ مریم نے ایک دو منٹ انتظار کیا لیکن جب گل زریں کچھ نہ بولی تو مریم نے اسکا ہاتھ چھوڑ دیا اور بھاگتی ہوئی حویلی میں داخل ہو گئی۔ اس نے ایک گہری سانس لیکر ہوا کو اپنے اندر اتارا اور حویلی کی جانب بڑھی لیکن ہال کمرے میں داخل ہونے سے قبل اندر سے آتی آوازوں نے اُسے وہیں روک دیا جہاں وہ کھڑی تھی۔

"آغا جی، ہم نے آج تک گل زریں کا برا نہیں چاہا۔ آپ ایک دفعہ اس سے بات کر کے تو دیکھیں، شاید وہ مان جائے۔" داور خان کی آواز وہ بخوبی پہنچاتی تھی۔

"بیٹا! میں جانتا ہوں وہ کبھی نہیں مانے گی، نہ آج نہ کل، میں ڈرتا ہوں کہ میری کسی بات سے اسکو تکلیف نہ پہنچے اور پھر مریم بھی تو ہے۔" ہمایوں خان آفریدی کی آواز گونجی۔

"آغا جی! مریم پہلے بھی ہم سب سے بہت اٹیچڈ ہے، وہ بہت سمجھدار بچی ہے۔" پتہ نہیں وہ کیا باور کرانا چاہ رہا تھا۔ گل زریں نے کچھ لمحے توقف کیا پھر ہال کمرے میں داخل ہو گئی۔ اسے اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

"آؤ آؤ گل زریں! کیسی ہوں؟" اسے دیکھ کر داور خان آفریدی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں ٹھیک ہوں لالہ۔ آپ کیسے ہیں؟ پور دل اور شیر خان کا کیا حال ہے؟" وہ چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی تو وہ بھی بشاشت سے مسکرا دیا۔

"بالکل ٹھیک۔"

"شہر سے کب آئے؟ مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں؟" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کسکی بیٹی؟ بولو گل زریں کس کی بیٹی کو سزدی جا رہی ہے؟ ہمیں تو آج تک یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ مریم کا باپ کون ہے؟ تم تو جانتی ہونا، بولو بتاؤ کون ہے اسکا باپ؟" وہ غصے سے بھرپور انداز میں چلا رہا تھا۔ وہ ایک لمحہ کو ڈگمگا نیلیکن پھر فوراً سنبھل کر بولی۔

"ہمیش خان آفریدی کی بیٹی ہے مریم۔ سنا آپ نے داور لالہ! مریم کا باپ ہمیش خان ہے۔"

"کس کو تسلی دے رہی ہو گل زریں! خود کو، ہمیں یا پھر۔۔۔ خدا جانے گل زریں تم کب سمجھ پاؤ گی ہماری بات۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ ولدیت کے خانے میں ہمیش خان کا نام آنے سے وہ اسکی بیٹی بن گئی ہے۔ تو سراسر غلط سوچتی ہو تم کیونکہ اگر ہمیش خان کو اتنا ہی اسکا وجود پسند ہوتا تو اس بات کو ایشو بنا کر وہ گھر نہ چھوڑتا۔" وہ اسے حقیقت بھرا آئینہ دکھا رہا تھا۔

"داور لالہ! پلیز آپ گڑھے مُردے مت اکھاڑیں۔" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"میں جانتا ہوں گل زریں! کہ گڑھے مُردے اکھاڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیش خان کو گئے آٹھ سال ہو گئے ہیں۔ ان آٹھ سالوں میں اس نے مڑ کر خبر نہیں لی۔ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا اسے میں نے؟ کب تک تم اسکے نام پر بیٹھی رہو گی؟ سہیل خان ایک اچھا آدمی ہے اور سب سے بڑھ کر میرا بہت اچھا دوست ہے۔ اس نے خود تمہیں پر پوز کیا ہے اور ہم نے۔۔۔۔۔"

"بس داور لالہ، اس سے زیادہ ایک لفظ نہیں، وہ بے شک اچھا سہی بہت اچھا سہی لیکن میری ماضی کی یادیں اذیت ناک ہیں داور لالہ اور مستقبل کے تفکرات میرے لئے عذاب ہیں۔ کیا ہوا تھا اور کیا ہو گا میں ان سوچوں میں چاروں طرف سے گھر چکی ہوں۔ میں تھک گئی ہوں لڑتے لڑتے۔" وہ ہانپنے لگی تو داور خان نے آگے بڑھ کر اسے پانی کا گلاس پکڑ لیا۔

"ریلیکس گل زریں! تم پریشان نہ ہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اسکی یہ حالت دیکھ کر اسکا دل کٹ کٹ جاتا تھا لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ اگر کرنے کا سوچتا تو گل زریں کی انا اور ہمیش خان سے محبت آڑے آجاتی۔ وہ بہت بے بس اور مجبور ہو گیا تھا۔ اس نے اسکا سر آہستہ سے تھپتھپایا اور ٹیبل سے کی رنگ اٹھا کر باہر چل دیا۔

"گل بیٹا! کھانا کھا لو۔ جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا کیونکہ جو تم جانتی ہو وہ کوئی اور نہیں جانتا اور اگر کوئی جان لے تو۔۔۔ خیر چھوڑو۔" آغا جی اسے بہلانے کی کوشش کرنے لگے۔

"نہیں آغا جی! بھوک نہیں ہے۔" وہ گُری سے اُٹھتے ہوئے بولی اور سبک رفتار سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ جب کہ ہمایوں خان آفریدی جانتے تھے کہ وہ ضبط کے کن کڑے مراحل سے گزر رہی ہے۔

ہمایوں خان آفریدی کے دو بھائی تھے۔ ان سے چھوٹے خوشنود آفریدی اور سب سے چھوٹے عمر آفریدی۔ مجھے کے احساس کی رنگینیوں کے ساتھ وہ تینوں بھائی اپنے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ تینوں کی یکے بعد دیگرے شادیاں کر دی گئیں۔ ہمایوں آفریدی کی بیٹی پوردل، خوشنود آفریدی کے دو بیٹے داور خان اور ہمیش خان اور عمر خان کی بیٹی گل زریں انکے مہکتے باغ کے تازہ کھلتے پھول تھے۔ خاندانی دشمنی نے چھوٹی سی عمر میں ہی گل زریں سے اس کے باپ کو چھین لیا۔ سارے گھر والوں کی محبتوں کے احساس اور نرم رویوں نے اسے خود سر اور ضدی بنا دیا تھا جبکہ پوردل اپنے باپ کی طرح ہی نرم دل تھی۔ یوں ایک حویلی میں رہتے ہوئے وہ سب ایک دوسرے کو دل کی دھڑکنوں میں بسائے رکھتے تھے۔ جب بچے شعور کی منزل کو پہنچے تو داور خان اور پوردل کو نکاح کے بندھن میں باندھ دیا گیا۔ گل زریں اور ہمیش خان کے مزاجوں میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے فیصلہ مستقبل پر چھوڑ دیا گیا۔ خوشنود خان اور پوردل کی والدہ زینت خاتون شہر گئے تو واپس خون میں نہا کر آئے۔ ایک روڈ ایکسپڈینٹ میں دونوں جان سے گئے۔ جوں جوں روز و شب کھسکتے جا رہے تھے، گل زریں کی ضد اور خود سری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ہمیش خان نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو گل زریں نے بھی ضد شروع کر دی کہ وہ بھی یونیورسٹی میں داخلہ لے گی۔ سب کے سمجھانے کے باوجود اسکی ضد ختم نہ ہوئی تو ہمیش خان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ سمجھنے والی نہ تھی۔

"یہ کیا ڈرامہ ہے؟" وہ غصے سے دھاڑا۔

"کیسا ڈرامہ؟ اگر یونیورسٹی میں پڑھنا ڈرامہ ہے تو میں بھی تمہارے ساتھ اس ڈرامے میں شامل ہونا چاہتی ہوں۔" وہ اس کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

"شٹ اپ، فضول بولنا بہت آگیا ہے تمہیں۔ تم جانتی ہو کہ ہمارے خاندان میں لڑکیاں صرف میٹرک تک پڑھتی ہیں اسکے باوجود تم نے بی اے کیا۔ پورڈل کو دیکھو آرام سے گھر بیٹھی ہے۔ مگر پتہ نہیں تمہارے دماغ میں کیا خناس سمایا ہے۔" اسکی آواز غصے کی شدت سے پورے کمرے میں گونجی تھی۔

"پورڈل اور مجھ میں بہت فرق ہے ہمیشہ خان! برائے مہربانی مجھے اس سے مت ملاؤ۔" وہ تنک کر بولی تو اسکا دماغ گھوم گیا۔
"کیا فرق ہے تم دونوں میں، بولو جواب دو؟"

"میں سورج کی کرنوں کے ذریعے آسمان تک نہیں پہنچنا چاہتی، شبنم کی طرح پھولوں کے کندھوں کا بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ تم جانتے ہو خان مانگنا میری عادت نہیں ہے، میں صرف فیصلہ سنایا کرتی ہوں۔" وہ دوبارہ بولی تو وہ مزید چٹخا۔

"یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ فیصلہ کون سناتا ہے اور مانگتا کون ہے گل زریں صاحبہ"، وہ لفظوں کو چبا چبا کر بولا۔
"اس حویلی کے مرد جب تمام عیاشیاں افرڈ کر سکتے ہیں، اپنی مرضی کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ خود پڑھ سکتے ہیں تو پھر حویلی کی عورتوں پر پابندی کیوں؟"۔ اس نے براہ راست اسکی خودداری پر حملہ کیا تو ہمیشہ خان نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا۔
"حد ہوتی ہے گل زریں! بولنے سے پہلے سوچ لیا کرو۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔

"ہمیشہ خان! میں سوچ کر بولتی ہوں۔ سب جانتے ہیں کہ میں جو چاہتی ہوں وہ کرتی ہوں۔ اسلئے میں ضرور ماسٹرز کروں گی۔" وہ اسکے نرم لہجے کو دیکھ کر خود پر قابو پاتی بولی۔

"تو کرو ماسٹرز کون منع کر رہا ہے؟ مجھے مضامین بتانا میں کتابیں فراہم کر دوں گا تمہیں۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا تو اسکے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"میں اپنی مرضی سے پڑھوں گی ہمیشہ خان! اور اسی یونیورسٹی میں داخلہ لوں گی جس میں تم لے رہے ہو۔" وہ فاتحانہ انداز میں اسکی طرف دیکھتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی جبکہ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"سب کے سمجھانے کے باوجود اسکی ایک ہی ضد تھی کہ وہ داخلہ ضرور لے گی جب اس نے اپنی ضد نہ چھوڑی تو آغا جی نے ایک اور فیصلہ کیا۔

"مطلب یہ کہ اسی سال آئی ہے سائے کی طرح دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کیساتھ چپکے رہتے ہیں۔ نہ تو مریم خان کی کسی سے دوستی ہے اور ہمیشہ خان نے تو اپنے دوستوں تک کو چھوڑ دیا بہن کی وجہ سے۔" اسے ایک لمحے کو تو اپنے کانوں پر شک گزرا لیکن پھر وہ خاموشی سی سنتی رہی۔ اسکے اندر چھناکے سے کچھ ٹوٹ گیا کیونکہ وہ بخوبی جانتی تھی کہ ہمیشہ خان کی کوئی بہن نہیں ہے۔

"چلیں"، شائستہ بولی

"اول۔۔۔۔۔ ہاں"، وہ چونکی۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں، سر میں معمولی درد ہے۔ میں ہاسٹل جا رہی ہوں تم باقی کی کلاسیں لیکر واپس آ جانا۔" وہ چپ چاپ وہاں سے نکل آئی۔ ہاسٹل جانے کی بجائے وہ سیدھی انگلش ڈپارٹمنٹ سے ہوتی ہوئی زوالوجی ڈپارٹمنٹ کی طرف چلی آئی۔ سامنے ہی ہمیشہ خان کسی لڑکی کیساتھ کھڑا تھا۔ وہ گل زریں کو سامنے دیکھ کر لمحے بھر کو سٹپٹا گیا لیکن فوراً ہی سنبھل کر آگے بڑھا۔

"آؤ آؤ گل زریں! کیسے آئی ہو؟"، گل زریں نے دیکھا کہ اس لڑکی کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔

"میں ذرا ہمیشہ خان کی مصروفیت دیکھنے آئی تھی۔" وہ پاس کھڑی لڑکی کو دیکھ کر استہزائیہ انداز میں بولی تو وہ بوکھلا اٹھا۔

"یہ مریم خان ہے گل زریں"، وہ تعارف کروانے لگا۔

"غائبانہ تعارف تو تھا آپ سے لیکن آج آپ کو دیکھ بھی لیا۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" مریم خان نے ہاتھ آگے بڑھایا تو گل زریں نے نخوت سے جھٹک دیا۔

"لیکن مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔۔۔۔۔ اور تمہیں تو ہمیشہ خان میں حویلی جا کر پوچھوں گی۔" وہ غصے سے بولی۔

"گل زریں! کوئی بھی بات کرنے سے قبل یاد رکھنا کہ ہوا اپنے ساتھ مٹی بھی اڑا کے لاتی ہے لیکن گھر تعمیر نہیں کر سکتی۔" وہ اسے تنبیہ کر رہا تھا لیکن وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

"مشورے کا شکریہ"، وہ پاؤں پٹختی ہوئی چل پڑی۔

"اب کیا ہو گا ہمیش خان؟"، مریم فکر مندی سے بولی۔

"کچھ نہیں ہو گا اچھا ہے گل زریں بات شروع کرے گی تو ہمارا مسئلہ اور آسان ہو جائے گا۔ ویسے بھی آج نہیں تو کل مجھے آغا جی سے بات کرنی تھی نا؟" وہ اطمینان بھرے لہجے میں بولا وہ تو مسکرا نے لگی۔

ہمیش خان جب حویلی لوٹا تو اس کا خیال تھا کہ اچھا خاصا فساد برپا ہو چکا ہو گا لیکن وہاں بالکل خاموشی تھی۔ وہ بہت حیران تھا کہ زریں گل اور چپ رہ جائے۔ وہ اس انتظار میں رہا کہ کب گل زریں آغا جی سے بات کرتی ہے تاکہ وہ کھل کر آئیو الے دنوں کا لائحہ عمل تیار کر سکے لیکن جب ہفتہ گزرنے کے باوجود کوئی بات نہ ہوئی تو وہ بھی واپس ہاسٹل جانے کی تیاری میں لگ گیا۔ وہ جانے لگا تو داور نے اسے روکا۔

"ہمیش خان! آج رُک جاؤ کل چلے جانا۔"

"کیوں لالہ؟ خیریت تو ہے؟"۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"ہاں بالکل خیریت ہے۔ گل زریں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم کل اسے بھی ساتھ لیتے جانا۔"

"میں کل چلا جاتا لیکن میرا آج جانا بہت ضروری ہے کوئی انوسٹیکیشن ٹیم آرہی ہے اوپر سے"۔ اس کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن داور لالہ کے سامنے انکار کی جارت بھی نہ تھی۔

"جی لالہ"۔ وہ دروازے کی جانب چل دیا۔

"نہیں بھائی جی! آپ بس چپ رہیں سمجھ کیا رکھا ہے اس نے اپنے آپ کو"۔ اماں بی مسلسل بول رہی تھیں۔

"نہیں بہن جی! وہ بس ذرا جلدی میں تھا میں خود بات کروں گا اس سے"۔ آغا جی سر جھکائے بول رہے تھے۔

"کیا ہوا اماں خیر تو ہے؟"۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"ارے سارے کہتے تھے وہ بچی ضدی ہے لیکن تو نے تو اسے بھی پیچھے دھکیل دیا۔ کچھ خدا کا خوف نہیں ہے"۔ وہ اس پر چڑھ دوڑیں۔

"ارے اماں! بات بتائیں گی تو پتہ چلے گا"۔ اس کا لہجہ سہا سہا تھا۔

"دیکھ ہمیش خان! میں بول رہی ہوں تو نے اگر گل زریں سے ایسا ناروا سلوک رکھا تو مجھے کچھ اور سوچنا پڑے گا۔" وہ تڑک کر بولیں تو وہ حواس باختہ ہو گیا۔

"اماں ایسا کیا کیا ہے میں نے؟" وہ غصے کو ضبط کرتے ہوئے بولا۔

"آج ہفتہ ہو گیا ہے اسے بخار ہوئے، تجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ اس بچی کا حال ہی پوچھ لے۔ ارے بیوی ہے وہ تیری۔ بیوی سمجھ کہ نہیں تو چچا زاد سمجھ کر ہی پوچھ لیا ہوتا۔"

وہ اسے لتاڑ رہی تھیں اور اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ پتہ نہیں گل زریں کیساتھ ایسا کیا کر دیا اس نے کہ اماں اتنے غصے میں آگئی ہیں۔ وہ چپ چاپ اس کے کمرے کی طرف چل دیا۔ کمرے میں پاؤں رکھا اور ٹھٹھک کر رک گیا۔ اس کا پھول کی طرح شاداب چہرہ اک ہفتے میں کملا کر رہ گیا تھا۔ خوبصورت کالی آنکھوں میں اُدا سی کے رنگ تھے۔ اس نے ہمیش خان کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو بیڈ کراؤن کیساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"او ہمیش خان! آج تم میرے کمرے کی راہ کیسے بھول گئے؟" اس کا انداز طنزیہ تھا۔ اس کے انداز کو دیکھ کر مسکرایا پھر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ اماں بتا رہی تھیں کہ تمہیں بخار ہے؟"

"ہمیش خان! ہر بات کا پتہ تمہیں اماں سے ہی کیوں چلتا ہے؟ کبھی اپنی آنکھیں اور کان بھی کھلے رکھا کرو۔" وہ اس کے غصے سے بھرپور انداز کو دیکھ کر ہنس دیا۔

"ویسے تم کہیں میری اور مریم کی دوستی کی وجہ سے تو۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے کہیں تم نے ہماری دوستی کو خود پہ حاوی تو نہیں کر لیا کہ بخار جان ہی نہیں چھوڑ رہا۔" وہ سنگل صوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"تم جانو اور تمہاری مریم خان، مجھے کیوں پروا ہونے لگی تم لوگوں کی؟" وہ تڑخ کر بولی۔

"اچھا۔۔۔۔۔ ویسے پتہ نہیں کیوں۔۔۔۔۔ مجھے لگ رہا ہے کہ تم جل رہی ہو۔" وہ طنز کرنے سے کب باز آتا تھا۔

سرک جائے اسے مضبوطی سے تھام لو۔ اپنی محبتوں، اپنی وفاؤں اور اپنے ولولوں کو ہمیشہ خان تک پہنچاؤ۔ ایسا نہ کہ خانوں کی ریت کے مطابق صرف حویلی تک محدود رہ جاؤ۔" وہ اسے مستقبل کا لائحہ عمل تیار کرنے میں مدد دے رہی تھی اور گل زریں چپ چاپ زندگی کی گزرتی ساعتوں کے متعلق سوچ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ پتھر میں جونک لگ سکتی ہے، سنگلاخ چٹانوں کو چیر کر کوئی نرم و نازک پودا نشوونما پا سکتا ہے مگر جنگلے دل پتھر ہو جائیں ان میں نرمی و گداز پیدا کرنا آسان کام نہیں۔

وقت ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسلتا جا رہا تھا۔ ان دونوں کاماسٹرز مکمل ہو گیا تو حقیقتاً حویلی کے در و دیوار دہل کر رہ گئے۔ "آغا جی اب مریم کی پڑھائی مکمل ہو چکی ہے۔ میں اسے حویلی لانا چاہتا ہوں۔" وہ ہمایوں خان کے سامنے بیٹھا سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ "ہمیشہ خان یہ کیسے ممکن ہے؟" وہ نہایت تحمل سے بولے۔ انکی کنپٹی کی ابھرتی رگ انکے ضبط و استقامت کی گواہ تھی۔ "اس میں ناممکن کیا ہے آغا جی؟ وہ میری عزت ہے اور اس حوالے سے اس حویلی کی بھی عزت ہے۔" آہستہ آہستہ لیکن مدلل انداز میں اپنی بات سمجھا رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔۔۔ نہ وہ تو ہماری عزت ہے، نہ تمہاری اور نہ اس حویلی کی۔ انہوں نے تمہیں بھی خرید لیا ہے ہمیشہ خان اس محبت کا واسطہ دے کر جو تمہیں اس خاندان سے ہے۔"

"چلیں ایسا ہی صحیح آغا جی لیکن میں جلد ہی مریم کو حویلی لارہا ہوں۔" وہ دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"تم ہماری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو۔ ہم ایسا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے جس سے حویلی کی شان و شوکت میں فرق آئے۔" وہ چلائے۔ "آپ سے فیصلہ کروانے کون آیا ہے آغا جی؟ میں تو صرف اپنا فیصلہ اس دفعہ سنانے آیا ہوں۔" وہ غصے پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "آغا جی آپ نے گل زریں کو یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی اجازت دی میں کچھ نہیں بولا، آپ نے اس سے میرا نکاح کیا میں خاموش رہا اور آپکی خوشی کو مقدم جاننے ہوئے آپکی خوشی کا تاثر دیا۔ آغا جی اب مریم خان میری خوشی ہے تو آپ بھی میری خوشی پر خوش ہوں کیونکہ مریم خان کے معاملے میں، میں خاموش نہیں رہ سکتا۔"

"ہمایوں خان آفریدی اتنا کمزور نہیں ہوا کہ دوسروں کے فیصلوں پر عمل کرتا پھرے۔" وہ غصے سے دھاڑے لیکن مقابل بھی ہمیشہ خان تھا جس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"آغا جی! دو دنوں تک مریم حویلی میں ہوگی۔ بہتر یہی ہے کہ آپ میری خواہش اور خوشی کو مقدم جانتے ہوئے اجازت دے دیں کیونکہ اگر آپ نے مجھے اجازت نہ دی تو میں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ گل زریں کو طلاق دے دوں گا۔" وہ رُکا نہیں لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا جبکہ ہمایوں خان آفریدی کا جاہ چشم انکی قدم بوسی کو نیچے آ رہا تھا۔

خوشی نہیں آئی اور زندگی کی اُمید بھی چلی گئی۔ غم ویسے ہی راستے مسدود کئے کھڑا ہے، زندگی کی ساعتیں گزرتی چلی ج رہی ہیں۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ مریم خان حویلی آچکی تھی۔ گل زریں کا گھر بچانے کیلئے آغا جی اسکی دشمن جاں کو خود حویلی لیکر آئے لیکن گل زریں نے اسکے سامنے جانا مناسب نہ سمجھا۔ داور خان پور دل کیساتھ شہر والی حویلی میں شفٹ ہو گیا تھا۔ آغا جی نے آہستہ آہستہ اسکو (مریم خان کو) اسکا درجہ دینا شروع کر دیا تھا۔

"کیسی ہو گل زریں؟ مجھے اتنے دن ہو گئے حویلی میں آئے ہوئے لیکن تم سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔" مریم اسے سیڑھیاں اترے دیکھ کر بولی۔

"ہمیشہ خان سے تو ملاقات ہوتی ہے نہ تمہاری۔" وہ اپنے لہجے کی ناگواریت کو چھپاتے ہوئے بولی۔

"ہاں وہ تو روز ہی ہوتی ہے۔ پتہ ہے گل زریں میں نے کبھی ایسی شان و شوکت والی زندگی کا سوچا بھی نہیں تھا لیکن جب خوش قسمتی ساتھ دے اور وقت کے چراغ روشن ہوں تو قسمت کے موتی ضرور مل جاتے ہیں۔" وہ گل زریں کیساتھ چلتے چلتے بولی تو اس نے بغور اسکے چہرے کی جانب دیکھا جو بہت معصوم تھا۔ اس پل اسکے چہرے پر کئی رنگ برے تھے شاید قسمت کے موتی پانے کے رنگ یا ہمیشہ کی محبت کے رنگ۔ وہ دن بدن نکھرتی جا رہی تھی جبکہ گل زریں خود دن بدن نکھرتی جا رہی تھی۔

"تم سے محبت کون مانگ رہا ہے خان؟ تم تو نفرت دینے کے بھی قابل نہیں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی تو اس نے اُس پر ایک اچھی نگاہ ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گیا اور وہ اپنا سر پکڑ کر وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

وہ بھی ایک ایسی ہی رات تھی۔ ٹھٹھرتی ہوئی رات، بجلی کی چمک، بادلوں کی گرج، آندھی کا شور اور بارش کا زور۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ابھی چھت پھٹ جائے گی۔ پورے دل کی طبیعت خراب تھی۔ اماں بی، گل زریں کی والدہ اور آغا جی سب شہر گئے تھے جبکہ گل زریں، مریم خان اور ہمیش خان حویلی میں تھے۔ بادل یوں گرج رہے تھے کہ کان پڑتی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ لائٹ چلی گئی۔ گل زریں نے کینڈل جلانے کیلئے ماچس تلاش کی لیکن اسے نہ ملی۔ وہ ماچس لینے کیلئے کچن کی جانب جا رہی تھی کہ بلا ارادہ اسکے قدم مریم خان کے کمرے کے سامنے رُک گئے۔ اندر سے ہلکی ہلکی سکیوں کی آواز اس طرح آرہی تھی جیسے کوئی بہت تکلیف میں ہو۔ اس نے تھوڑا سا دروازہ دھکیلا تو دروازہ کھلتا چلا گیا لیکن اندر کا منظر دل دہلا دینے والا تھا۔

"اچھا اب راتوں کو چھپ چھپ کر خانوں کی حویلی میں یہ سب کچھ ہو گا۔" سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر وہ خاموش نہ رہ سکی۔ اسکی آواز سن کر ایک دفعہ تو مریم خان اور ہمیش خان جی جان سے لرز گئے۔

"تم راتوں کو چھپ چھپ کر ہماری جاسوسی کر رہی ہو۔" ہمیش مریم کو بیڈ پر بٹھا کر اسکی طرف لپکا۔

"سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے ہمیش خان! حقیقت آج میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چُکی ہوں۔ تم سب کی غیر موجودگی کا ناجائز فائدہ اُٹھا رہے ہو۔" ہمیش خان کو ناٹ گاؤں اور مریم خان کو بغیر ڈوپٹے کے بیڈ پر بیٹھے دیکھ کر اسکی آنکھوں میں لہو اتر آیا تھا۔

"تم حقیقت نہیں جانتی گل زریں! جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔" اس نے جب گل زریں کو جانے کا کہا تو اسکے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"اسلئے چلی جاؤں کہ تمہارے کچھن نہ دیکھ سکوں۔ تمہارے کرتوتوں سے دوسروں کو آگاہ نہ کر سکوں یا پھر تمہاری ان منائی جانوالی رنگ رلیوں پر پردہ ڈال دوں۔"

اسکی الزام تراشیوں بہر اسکے دماغ کی رگیں تن گئی تھیں۔ وہ بات کاٹ کر گرجتے ہوئے بولا۔

"سٹاپ اٹ۔ کیا تم اپنے الزام کی وضاحت دینا پسند کرو گی؟"

"میں کہتی ہوں چھوڑو مجھے"۔ وہ اسکے جارحانہ عزائم دیکھ چکی تھی اور حقیقتاً خوفزدہ بھی ہو رہی تھی۔ اس نے اسے بیڈ پر پٹخا اور اندر سے دروازہ لاک کر لیا۔ اسکے چہرے پر خطرناک عزائم کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ آگے جھک کر اسکے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں جکڑ لیا۔ وہ بری طرح مچلنے لگی۔ قیامت آئی اور گزر گئی۔ اسکی آہ و واویلا اسکے کسی کام نہ آسکا اور وہ کسی ساکت پیچھی کی طرح اسکے سامنے ڈھیر ہوتی چلی گئی۔ اسکا وجود ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اس نے کسی ہارے ہوئے پیچھی کی طرح اپنے وجود کو سمیٹنا چاہا لیکن بے سود۔

اسکی انا، اسکی نسوانیت سب کچھ تہہ تیغ ہو گیا اسکے پاس کہنے کو کچھ نہ بچا تھا۔

جب اسکی ماں، آغا جی اور اماں بی گھر واپس آئے تو وہ بخار میں بے سدھ پڑی تھی۔ مریم پاس ہی بیٹھی اسکے ماتھے پر پٹیاں بھگو بھگو کر رکھ رہی تھی جبکہ ہمیش خان ڈاکٹر کو چھوڑنے گیا ہوا تھا۔ وہ سب اسکی ایسی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ آہستہ آہستہ اسکا بخار ٹھیک ہو گیا لیکن وہ یکسر بدل چکی تھی۔ اسکی ضد، طنطنہ، غرور کہیں دور جا کر سو گئے تھے۔ وہ گھنٹوں اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھی رہتی یا پھر باداموں کے باغ میں جا کر کسی ایک نقطے پر نگاہوں کو مرکوز کر لیتی کہ کسی کے جھنجھوڑنے پر اٹھ کر حویلی کی طرف آجاتی۔ اسکی یہ حالت دیکھ کر اس کی ماں، اسکی ساس، اماں بی اور آغا جی گھٹ گھٹ کر جی رہے تھے۔ وہ ہمیش خان اور مریم خان کے سامنے آنے سے کتراتے تھے جبکہ ہمیش خان اندر ہی اندر خود کو اسکی اس حالت کا ذمہ دار قرار دے چکا تھا کہ ایک دن حویلی میں بھونچال آگیا۔

وہ باغ کی طرف جا رہی تھی کہ ہمیش خان سے سامنا ہو گیا۔ وہ اسکی طرف بڑھا۔

"کسی ہو گل زریں؟"۔ اسکی آواز سن کر اس نے اپنا جھکا ہوا سرا اوپر اٹھایا۔

"برباد ہو نیوالوں سے یہ نہیں پوچھا کرتے ہمیش خان کیونکہ انکا چلتا پھرتا وجود بربادی کا پتہ دے رہا ہوتا ہے۔ جو بھی ہوا بہت بُرا ہو، بہت غلط ہوا ہمیش خان"۔

"میں تمہارا شوہر ہو گل زریں! وہ سب میرا حق تھا۔ تم نے اتنی چھوٹی سی بات کو ذہن پر سوار کر لیا ہے"۔ وہ اسکی حالت دیکھ کر بہت رنجیدہ ہو رہا تھا۔

"بس گل زریں! چپ ہو جاؤ۔ اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ اسکی بات سن کر غصے سے دھاڑا جبکہ باہر نکلتی مریم، گل زریں کی باتیں سن کر وہیں زمین بوس ہو گئی۔ وہ اسکی طرف بھاگا۔

"مریم۔۔۔۔۔ مریم آنکھیں کھولو۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟" وہ اندر کی طرف بھاگا جبکہ گل زریں حیران و پریشان کبھی مریم کی طرف دیکھتی اور کبھی دروازے کی جانب جہاں سے ہمیش خان اندر گیا تھا۔

"آغا جی، اماں بی پتہ نہیں مر کو کیا ہو گیا ہے۔" وہ رو رہا تھا۔ سب باہر کی طرف بھاگے اس نے جلدی سے بے ہوش مریم کو اٹھایا اور گاڑی میں ڈال کر اندھا دھند شہر کی جانب چل دیا۔

"کیس بہت پیچیدہ ہے ہمیش آفریدی۔ مریضہ کے دل کے دو والو پہلے ہی بند ہیں۔ ہمیں فوراً آپریشن کرنا ہو گا۔ آپ ہمیں اجازت دیں۔"

ڈاکٹر معاذ اسی سے مخاطب تھے۔

"پلیز ڈاکٹر جلدی کریں۔" اس نے جلدی جلدی انہیں فائل دستخط کر کے دیئے۔

"آپ لوگ دعا کریں۔" ڈاکٹر فائل پکڑتے ہوئے بولا اور آپریشن تھیٹر کی جانب چل دیا۔

ایک۔۔۔۔۔ دو۔۔۔۔۔ تین۔۔۔۔۔ چار۔۔۔۔۔ پانچ۔۔۔۔۔ چھ گھنٹے تک مسلسل آپریشن ہوتا رہا جبکہ وہ تمام لوگ آپریشن تھیٹر کے باہر مریم کی زندگی کی دعائیں مانگتے رہے۔ وہ کوریڈور کے آخری کونے میں کھڑی مریم خان کی زندگی کیلئے دل سے دعا مانگ رہی تھی جب ہمیش خان اسکی جانب بڑھا۔

"اگر مریم کو کچھ ہو گیا نا۔۔۔۔۔ تو گل زریں بیگم میں تمہیں ساری زندگی معاف نہیں کروں گا۔ ایسی سزا دوں گا کہ عمر بھر یاد رکھو گی۔ بڑی مشکل سے میری بہن مجھے ملی تھی گل زریں، میں نے دن رات اسے تلاش کیا تھا جب وہ مجھے ملی تھی ناں تو زندگی سے مایوس ہو چکی تھی۔ اسے میں زندگی کی جانب لایا۔ وہ اتنی چھوٹی سے عمر میں ہارٹ پینشنٹ تھی۔ اس سے قبل دو ہارٹ اٹیک ہو چکے ہیں اسے ایک اماں کی وفات پر اور ایک۔۔۔۔۔ اگر۔۔۔۔۔ میری مریم کو کچھ ہو گیا تو بخشوں گا تمہیں بھی نہیں۔ سنا تم نے۔۔۔ میں نے اسکی خاطر اپنی ساری دوستیاں ختم کر ڈالیں۔ اب اگر۔۔۔۔۔ نہیں میری مریم کو کچھ نہیں ہو گا۔۔۔۔۔ تم جانتی ہو زریں کہ خان جب تک اپنے دشمن سے انتقام نہ لے لے نہ

سوتا ہے نہ کھاتا ہے اور نہ ہی چین سے بیٹھتا ہے۔ اسکا انکشاف واقعی دل دہلا دینے والا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ سوچتی اسکی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ قبل ازیں وہ فرسش کی جانب لڑھکتی، پاس کھڑی پور دل نے اسے اپنے ہاتھوں سے تھام لیا۔

"ان حالات میں ایسا ہو جاتا ہے بیگم صاحبہ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں چند ادویات لکھ رہی ہوں ان سے جلد ہی انکی کمزوری دور ہو جائے گی۔" اسکی ماں اور پاس بیٹھی پور دل کے چہروں پر کوئی سایہ سا آ کر گزر گیا۔

"کیا مطلب؟ میں آپکی بات سمجھی نہیں۔" پور دل نے ہمت کر کے بولی۔

"آپکی بہن اُمید سے ہیں۔" یہ سننا تھا کہ گل زریں اپنے حواسوں میں آگئی۔ وہ دونوں چپ چاپ خود کو گھسیٹ کر باہر لے آئیں۔ باہر نکلنے کی دیر تھی کہ اسکی ماں یوں گریں کہ دوبارہ نہ اُٹھ سکیں جبکہ وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر ماں سے لپٹی جا رہی تھی۔

حویلی میں دولائشیں اکٹھی آئیں تو کہرام برپا ہو گیا۔ آغا جی کبھی گل زریں کو دلا سے دیتے کہ ماں کے بعد وہ تنہا ہو گئی تھی کبھی ہمیش خان کو گلے لگاتے کہ جوان بہن کی موت کا غم کسی بھی طرح کم نہ ہو نیوالا تھا۔

گزرت دنوں کیساتھ ساتھ سب کو آہستہ آہستی قرار آ گیا لیکن شاید امتحان جلدی ختم نہیں ہوتے۔ گل زریں نے سلیپنگ پلز کھالیں۔ اگر اس دن پور دل اسکے کمرے میں نہ جاتی تو شاید بہت دیر ہو جاتی۔ ڈاکٹر ز نے اسے بچا لیا اور اس ننھی کو نپل کو بھی جو اسکی سانسوں میں خوشبو لے رہی تھی لیکن ہمیش خان نے اس بات کو ایشو بنا کر گل زریں سے شادی سے انکار کر دیا۔ گل زریں نے اس سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"ہمیش خان تم مجھ پر بہتان لگا رہے ہو۔" کینہیں جانتے کہ یہ بچہ کس ہے؟ "وہ اسے دلائل دے رہی تھی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ اگر مریم کچھ ہو گیا تو بخشوں گا میں تمہیں بھی نہیں۔" وہ دو ٹوک فیصلہ کر چکا تھا۔

"تم جانتے ہو میں حقیقت سے آگاہ نہیں تھی اور جب مجھے حقیقت کا پتہ چلا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔" وہ اسے کسی بھی طریقے سے روکنا چاہ رہی تھی۔

"تم نے اپنے اندر خواہشوں کی ایک دنیا بس رکھی تھی گل زریں یہ جانے بغیر کے خواہش کا ہر پل خواہش کی ایک دنیا ہے اور خواہش کی دنیا زندگی کی ایک جھلک ہے اور زندگی۔۔۔۔۔ گل زریں زندگی ہر پل خواہش کا امتحان ہے۔" وہ اسے ایک نئے فلسفے میں الجھا کر فرار چاہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے خان! اگر خواہش کا انجام رسوائی ہے تو میں محبت اور خواہشوں کے اس جہاں میں رسا ہی خوش ہوں۔ جانے سے قبل اتنا کر دو کہ گھر والوں کو اس حقیقت سے آگہی دے دو جو صرف تم اور میں جانتے ہیں۔" اسکے لہجے میں عجیب سی چبھن تھی۔

"نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس بچے سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہو گا۔" وہ کڑے تیور سے بولا۔

"ٹھیک ہے ہمیشہ خان ایسا ہی سہی پھر صرف ایک کام اور کر دو۔ اپنی زبان کو کاٹ کر کہیں پھیکو دو کیونکہ جس زبان کیساتھ حق کی بات نہ کی جائے اسے سرے سے کاٹ دینا اچھا ہوتا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ آگے کا راستہ کانٹا بھرا ہے اور اسکے پاؤں آبلہ پا ہوں گے لیکن وہ بے بس تھی، مجبور تھی۔ آج اسے ہمیشہ خان اس بڑے پتھر کی طرح لگ رہا تھا جو ہمیشہ ندی کی تہہ میں دھنسا ہوتا ہے لیکن جب اسے بلا دیا جائے تو ساری ندی موج موج اور تہہ و بالا ہو جاتی ہے۔ وہ رکا نہیں چلا گیا سارے کانٹے اسکی جھولی میں ڈال گیا۔ یہ جانے بغیر کے اسکے پاؤں پہلے پہ زخمی ہیں کانٹوں کو چنتے چنتے ہاتھ زخمی اور آنکھیں اندھی کر لے گی۔

خوشنود آفریدی خان کی جب دو سال تک اولاد نہ ہوئی تو اس نے شہر میں ایک بے سہارا عورت کی بیٹی سے شادی کر لی۔ ادھر اس سے شادی کی ادھر زرینہ بی (بی اماں) اُمید سے ہو گئیں۔ داور خان کی پیدائش کے کچھ ماہ بعد ہی شہر والی بیوی کے ہاں مریم خان نے جنم لیا۔ زرینہ بی ہاں داور خان کے بعد کوئی اولاد نہ ہوئی جبکہ ندرت بانو کے ہاں مریم خان کے بعد ہمیشہ خان نے جنم لیا۔ خوشنود آفریدی، ہمیشہ آفریدی اور مریم خان کو حویلی میں لانا چاہتے تھے لیکن انکے باپ نے اجازت نہ دی۔ باپ کی وفات کے بعد ندرت بانو نے اس شرط پر ہمیشہ خان کو اسکے حوالے کیا کہ مریم خان ماں کے پاس ہی رہے گی۔ خوشنود خان جب تک زندہ رہا اپنی بیوی اور بیٹی سے ملنے شہر جاتا رہا جبکہ ہمیشہ خان کو اسکے متعلق کچھ نہ بتایا۔ پور دل اور داور خان کے نکاح سے ایک دن پہلے خوشنود خان نے ساری کہانی ہمیشہ کو سنا ڈالی اور وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ خان کو اسکی ماں

اور بہن سے ضرور ملوائے گا لیکن انہیں زندگی نے مہلت نہ دی۔ ایک حادثے میں اپنی زندگی ہار گئے۔ ہمیش خان کو چند سالوں بعد اپنے باپ کے ایک دوست کے ذریعے اپنی ماں اور بہن کا پتہ چلا۔ وہ ملنے گیا تو اسکی ماں زندگی کی بازی ہار چکی تھی جبکہ اسکی بہن ایک خستہ حال مکان میں زندگی سے مایوس ہو کر دن پورے کر رہی تھی۔ وہ بہت حساس تھی۔ ہمیش خان اسے زندگی کی طرف واپس لانے کیلئے تگ و دو کرنے لگا۔ اسے نئے سرے سے پڑھائی کی طرف راغب کیا۔

وہ اپنی بہن کی حالت دیکھ کر اندر تک لرز جاتا اور جب ڈاکٹر نے بتایا کہ اتنی چھوٹی عمر میں دوہارٹ اٹیک ہونے کی وجہ سے دل کے دو والو بند ہو چکے ہیں۔ وہ بہت مایوس ہو گیا لیکن اپنی محبتیں اور اُلفتیں اپنی بہن پر لوٹاتا چلا گیا۔ گل زریں کی باتیں اسے اندر سے کمزور کرتیں لیکن وہ اس وقت تک اسے حقیقت نہیں بتانا چاہتا تھا جب تک مریم کو اسکا اصلی مقام نہ دلا دیتا لیکن جب مریم کو اسکا اصل مقام ملا گل زریں اس وقت شکوک و شبہات کی زد میں اس طرح پاؤں پاؤں دھنس چکی تھی کہ باہر نہ نکل سکی اور اسکی زہر اُگلتی زبان اور شعلے پکاتی آنکھوں سے مریم خان اپنے وجود کو بچانہ سکی اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بھائی کو تنہا چھوڑ گئی اور گل زریں کے حصے میں بھی صرف خسارہ ہی آیا۔

"دیکھو گل زریں! باہر نکلو۔ بیٹا کب تک کمرے میں یوں ہی بند پڑی رہو گی؟" اماں بی اسے پیار اور محبت سے سمجھا رہی تھیں۔ اُنہیں بھی ہمیش خان کے جانے کا بہت دکھ تھا۔ اُنہوں نے کبھی داور خان اور اس میں کوئی فرق روانہ رکھا تھا۔ انہوں نے حویلی آنے پر مریم کو بھی اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔

"جی اماں بی! آرہی ہوں۔" وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی تو اماں بی چپ چاپ باہر نکل گئیں۔

"دیکھو گل زریں! حال اگر حال رہے تو قبرستان بن جاتا ہے۔ اگر دل میں ہلچل نہ ہو تو ایک جیسا سکوت موت کی علامت ہے۔ انقلاب ہی اصل زندگی کا نام ہے۔ اُٹھو۔۔۔۔۔ سب تمہارے لئے پریشان ہیں۔" پور دل اسے رسانیت سے سمجھا رہی تھی لیکن وہ شاید کچھ بھی سمجھنے پر تیار نہ تھی۔

"دیکھو گل زریں! اگر تم بچے کی وجہ سے پریشان ہو تو ابھی دو ماہ ہی ہوئے ہیں ہم کسی بھی اچھی ڈاکٹر سے۔۔۔۔۔"

"پلیز پور دل چپ کر جاؤ۔ آئندہ ایسی کوئی بات نہ کرنا۔ کیونکہ اگر محبت کا انجام رسوا ہونا لکھا ہے تو مجھے یہ رسوائی منظور ہے۔ پتہ ہے پور دل میں نے کہیں پڑھا تھا کہ محبت میں آہ و فغاں اور درد کا وجود لازم ہے کیونکہ محبت آہوں، فریادوں اور درد کا نام ہے۔ اسلئے ہمیش خان کے نام پر مجھے

تمام درد قبول ہیں۔" وہ اسکی حالت پر کٹ کر رہ گئی وہ ساری حقیقت جانتی تھی کیونکہ گل زریں نے نیم بیہوشی میں جب ساری بات اگلی تھی اس وقت اسکے پاس صرف وہی تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ ہمیشہ خان سے کتنی محبت کرتی ہے۔

بہار میں جو پھول مسکراتا ہے وہ جلد مر جھکا جاتا ہے۔ جو لالہ صحرا میں کھلتا ہے وہ اسکی پتیوں کی للک کج رفتار کو منتشر کر دیتا ہے۔ آسمان کے تھپیڑے خشک مٹی کو اٹھا کر کہیں سے کہیں لا پھینکتے ہیں۔ اسی کو تقدیر کا نام دیا جاتا ہے کہ تقدیر چاہے تو محبتوں کو نئے رنگ بخش دیتی ہے اور چاہے تو پرانے رنگ بھی نوچ ڈالے۔

"اے خدا یا! یہ کس صحرا سے میرا گزر ہو رہا ہے؟ آنکھوں سے نیند اڑ گئی ہے۔ پاؤں پر آبلے ہے، راہ میں کانٹے ہیں، چاروں طرف گھٹا گھپ اندھیرے اور طوفان ہے۔ میں جاؤں تو جاؤں کہاں؟" وہ اپنی حالت پر خود ہی سسک رہی تھی۔ آج وہ اس اُجاڑ اور ویران مکان کی طرح ہو گئی تھی جہاں کوئی آنا پسند نہیں کرتا جیسے کوئی مردہ قبرستان میں ہو۔ وہ وقت کی چکی میں اس طرح پس گئی تھی جیسے جس طرح پھول مٹی کیساتھ دھول بن کر چمن میں بکھر جاتا ہے۔ احساس کی آنکھیں اس نے خود ہی اندھی کر لی تھیں آہ اب کیا ہو سکتا تھا۔

پھر سردیوں کی ٹھٹھرتی رات کو اس نے ایک بچی کو جنم دیا۔ آغا جی اور داؤر خان نے اس بچی کو ہمیشہ کا نام دیا تو گل زریں نے ہمیشہ اور مریم کی محبت کے پیش نظر مریم یعنی پاکیزہ رکھ دیا۔ دن ہفتے اور ہفتے مہینوں میں بدلتے چلے گئے۔ وہ جو گیا تو ایسا گیا کہ واپس نہ لوٹا۔ آج اٹھ سال گزرنے کے بعد داؤر خان کی ذرا سی بات اسے اس کے ماضی میں لے گئی۔ اس ماضی میں جسکا ایک ایک پر ت اس نے اپنی بیٹی سے چھپا رکھا تھا۔ مریم خان سارا سارا دن ہمیشہ خان کی تصویر ساتھ لئے پھرتی۔ ماں کی نم آنکھیں دیکھ کر اسکا نہادماغ صرف اتنا سوچتا کہ اُنہیں بابا یاد آرہے ہیں۔ وہ جیسے ہی مریم کو سکول سے لیکر لوٹی اسکے پاؤں گویا زمین نے جکڑ لئے۔ وہ سامنے ہی آغا جی کے قدموں میں بیٹھا تھا اور ساتھ ہی اماں بی، داؤر لالہ، ننھا شیر خان۔ اس نے ایک نظر سب پر غصے بھری ڈالی اور مریم کو وہیں چھوڑ کر سرپٹ اوپر اپنے کمرے کی جانب بھاگی۔ آنسو جانے کب سے رکے تھے۔ ایک دم سے ہی گریبان پر لہو کی بارش کرنے لگے۔

"آؤنا مریم"۔ مریم کا نام سن کر وہ چونکا اور جھکا ہوا سر اٹھایا تو آنکھوں میں ڈھیروں حیرانی سمیٹے اس ننھی بچی کی جانب دیکھنے لگا جو بمشکل ساڑھے سات سال کی ہو گئی۔

"مریم! بھلا بیچا تو یہ کون ہیں؟" پور دل اسے انگلی سے پکڑ کر ہمیش خان کے سامنے لے آئی۔

"یہ۔۔۔۔۔" وہ مسکرائی، "یہ میرے بابا ہیں۔ میں نہ نانو"۔ وہ آغا جی کی طرف دیکھ کر بولی تو ہمیش خان ٹھنکا۔

"بابا! کیا مطلب۔۔۔۔۔" اس نے سوالیہ نظروں سے سب کی طرف دیکھا۔

"یہ گل زریں کی بیٹی ہے مریم۔ ہم نے تم سے پوچھے بنا اسکی ولدیت میں تمہارا نام لکھوا دیا کیونکہ بہر حال لوگوں کیلئے تم ہی گل زریں کے شوہر تھے"۔ داور خان نظریں جھکا کر بولے کہ نہ جانے ہمیش خان کیا جواب دے لیکن اسکا جواب سن کر وہ چونکے بنانہ رہ سکے۔

"یہ میری ہی بیٹی ہے داور لالہ! میں ہی اس بد نصیب مریم کا باپ ہوں"۔ وہ ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ مریم کو پکڑ کر گلے سے لگا کر بھیجنے ڈالا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ پھر اس نے شروع سے لیکر آخر تک سب کہہ سنایا۔ سب کی حالت بہت بُری تھی۔ آغا جی شاکڈ تھے تو داور لالہ مزید ندامت سے سر کو جھکا گئے کہ وہ خود ان سے آنکھیں ہی نہ ملا پا رہا تھا۔

"آپ میرے بابا ہیں نہ؟"، مریم معصوم سا چہرہ لئے اپنے ننھے منے ہاتھوں کے پیالے میں اسکا چہرہ سمو کر بولی۔

"ہاں میری جان! میں ہی آپکا بابا ہوں"۔ وہ برہ طرح سسک پڑا اور اسے ایک دفعہ پھر سینے سے لگالیا کیونکہ وہ حقیقت جانتا تھا، دُکھ جانتا تھا لیکن بے بس تھا۔

"بابا! میری گڑیا کدھر ہے اور شیر خان کی سائیکل؟"۔ اس نے سوالیہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔

"گڑیا اور سائیکل۔۔۔۔۔"

"ماما کہتی تھیں جب بابا آئیں گے تو ڈھیر ساری چیزیں لائیں گے وہ"۔ اسکول یونیفارم میں کوئی ننھا سا فرشتہ لگ رہی تھی۔

"میں اپنے پیٹے کو ساتھ لیکر جاؤں گا اور اسکی پسند کی گڑیا اسے دلاؤں گا"۔ وہ اسکی محبت پر سرشار ہی تو ہو گیا تھا۔

"اور شیر خان کی سائیکل بھی"۔ وہ تنبیہ کرے ہوئے بولی تو وہ مسکرائے بنانہ رہ سکا اور مریم سیڑھیوں کی طرف بھاگ گئی۔

"بہت برا کیا بچے، بہت برا۔ وہ شروع سے ہی ضدی تھی۔ اتنا بڑا الزام تو اس نے اپنے سر لے لیا۔ کبھی ایک لفظ نہ کہا۔ یہی ظاہر کرتی رہی

جیسے۔۔۔۔۔۔۔"۔ اماں بی چپ ہو گئیں تمام آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

"میں بہت شرمندہ ہوں اماں بی۔ میری وجہ سے اتنا کچھ ہو گیا۔ وہ سب کی نظروں سے گر گئی لیکن میں کیا کرتا؟ مجھے اس وقت مریم کے علاوہ کچھ دکھائی ہی نہ دے رہا تھا نہ اسکے آنسو نہ اسکی حالت، مجھے صرف اس بات کا غصہ تھا کہ اس نے مجھے سمجھا ہی نہیں، میں اسے مریم کا قاتل سمجھتا رہا۔" اس نے بی اماں کی گود میں سر رکھ دیا اور آنسو تو اتر سے بہنے لگے۔ انہوں نے اسے جہنم نہیں دیا تھا لیکن سینے سے لگا کر راتوں کو تھپکیاں دیں تھیں۔ اسکی تکلیف پر راتیں جاگ کر گزاری تھیں۔ اس پر اپنی ممتا پنچھاور کی تھی۔ اسکی حالت دیکھ کر انکا دل ڈوب رہا تھا۔

"بس ہمیش بچے! یہی قسمت میں لکھا تھا۔ اگر اس نے مریم کیساتھ کچھ کیا تو حقیقت قطعی سے لاعلم ہو کر۔ اس نے زندگی کے آٹھ سال کس طرح گزارے ہیں اسکے گواہ ہم سب ہیں۔ کتنی بار مرنے کی کوشش کی لیکن خدا کو اسکی اور مریم کی زندگی منظور تھی۔ جا بیٹاس سے معافی مانگ لے۔ سب کچھ بھلا کر قدم بڑھا شاید وہ تیری راہ دیکھ رہی ہو۔ محبت کرنے کی اتنی بڑی سزا نہیں دیتے بچے۔" وہ ماں تھیں اسی محبت، اپنائیت اور رمان سے سمجھا رہی تھیں۔ اس نے انکی گود سے سر اٹھایا اور آگے بڑھ کر آغا جی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"پلیز آغا جی مجھے معاف کر دیں۔"

"کیسی معافی بیٹا۔۔۔ معافی مانگنا ہے تو گل زریں سے مانگو جس نے آٹھ سال کانٹوں پر گزارے ہیں جو حقیقت بتانے پر بے بس تھی۔ جاؤ بیٹا گل زریں کے پاس، جب تمام معاملہ واضح ہو گیا ہے تو منہ چھپانے سے کیا فائدہ۔۔۔۔۔ ہمت کرو۔" آغا جی اسکے جڑے ہاتھوں کو پکڑتے ہوئے بولے تو وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ گویا اسے ایک راستہ مل گیا ہو۔

دن ڈھلتا چلا گیا اور رات نے آہستہ آہستی اپنے سیاہ پر پھیلا دیئے جب وہ ندامتوں سے جھکا سر لئے گل زریں کے کمرے میں گیا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون ہے آجاؤ۔" اسکا خیال تھا پور دل ہوگی لیکن ہمیش خان کو دیکھ کر وہ جو بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی تھی فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"آپ۔۔۔ آپ کیوں آئے ہیں یہاں؟" وہ خیف سی ہو کر بولی۔

"میں کیوں نہیں آسکتا ہوں یہاں۔۔۔۔۔ گھر ہے یہ میرا بیوی ہو تم میری اور۔۔۔۔۔ اور ایک بیٹی کا باپ ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"نیٹی۔۔۔ بیٹی کا وجود تو آپکو اس گھر سے نکلنے کا سبب بنا تھا ہمیش خان، کیسی بیٹی اور کس کی بیٹی۔۔۔۔۔ وہ صرف گل زریں آفریدی کی بیٹی ہے۔" اسکی آنکھوں میں سرخی اور لب و لہجے میں تلخی اتر آئی تھی۔ وہ دکھ کے مارے اسے دیکھنے لگی۔

"میں سب سے معافی مانگ چکا ہوں گل زریں! سب نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ حقیقت کیا ہے سب کو بتا چکا ہوں کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گی؟" وہ بیڈ کی پائنٹی پر بیٹھتے ہوئے بولا وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

"سب نے آپکو معاف کر دیا۔۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔۔ میرے گزشتہ ماہ و سال کا حساب کون دے گا ہمیش خان کہ میں نے وہ دن کس کرب میں گزارے۔۔۔۔۔ میری ماں۔۔۔۔۔ میری ماں ندامت سے جھکا سر لیکر اس دنیا سے چلی گئی۔۔۔۔۔ جب مجھے تسلی کے دو لفظوں کی ضرورت تھی تب آپ۔۔۔۔۔ ہمیش خان یہ کہہ کر چلے گئے کہ میں نے خواہشوں کی دنیا بسالی ہے اور آج جب میں اپنے ریزہ ریزہ ہوتے وجود کو بمشکل سمت پائی ہوں تو آپ مجھے پھر ریزہ ریزہ کرنے آ پہنچے ہیں۔۔۔۔۔ ایک کمزور لمحے میں آپ نے مجھ سے میرا نسوانی غرور چھین لیا اور مجھے تڑپنے کیلئے چھوڑ دیا۔" نم آنکھوں اور تھکے وجود کیساتھ وہ اسے پیشمانیوں اور ندامتوں میں گھیر گئی لیکن وہ ہمت نہ ہارا۔

"میری طرف دیکھو گل زریں! کیا تمہیں میری محبت پر شک ہے؟ میں نے تمہیں ٹوٹ کر چاہا ہے گل زریں۔۔۔۔۔ شاید اس محبت کا ادراک مجھے کبھی حاصل نہ ہوتا اگر میں تم سے اتنی دور نہ جاتا تو۔۔۔۔۔ آٹھ سال۔۔۔۔۔ آٹھ سال کس ذہنی کرب میں گزارے ہے میں نے یہ میں ہی جانتا ہوں۔ میں کب سے خود میں ہمت جمع کر رہا تھا لیکن تمہارا سامنا کرنے سے ڈرتا تھا۔ اگر آج داور لالہ مجھے نہ لاتے تو شاید میں کبھی نہ آتا۔"

وہ نظریں جھکائے رو رہا تھا۔ دل کا سارا درد آنسوؤں کیساتھ بہہ رہا تھا۔ اسے یوں ٹوٹے دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا لیکن وہ جلدی کمزور پڑنا نہ چاہتی تھی۔

"آپ نے اگر آٹھ سال ذہنی کرب میں گزارے ہیں تو وہ آپکی کسی لغزش کی سزا تھی ہمیش خان کیونکہ میں نے آپکو اسی دن معاف کر چکی تھی جب مریم نے میری کوکھ سے جنم لیا تھا۔" وہ کسی ہارے ہوئے کھلاڑی کی طرح بولی۔

"ایسے نہیں گل زریں! اگر وقت کے چراغ روشن ہو گئے ہیں تو ان سے اپنے حصے کی روشنی حاصل کرنا ہوگی۔ تم اگر اس طرح مجھے معاف کرو گی تو میں واپس چلا جاؤں گا۔۔۔۔۔" وہ اسکی بات سن کر تڑپ اٹھی۔ نگاہ اوپر اٹھائی، جہاں نگاہ سے نگاہ ملی محبت نے اپنا جادو چلا دیا۔ ایک آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر باہر نکلا اور اسکے ڈوپٹے میں جذب ہو گیا۔

"میں خالی ہاتھ اور خالی دامن لوٹا ہوں گل زریں! پلیز مجھے خود سے، اپنی بیٹی سے اور ان پیارے رشتوں سے محروم نہ کرو۔" اس نے اسے تڑپ کر دیکھا تو ہمیش خان نے اسکے سامنے بے اختیار اپنے ہاتھ باندھ دیئے۔ گل زریں نے تڑپ کر اسکے بندھے ہاتھ پکڑ لئے۔

"ایسا نہ کہیں ہمیش! اب ہم آپکو کہیں نہیں جانے دیں گے۔" اس نے دل کو سمجھالیا تھا۔ اپنی بیٹی کی خاطر وہ سمجھوتہ کرنے پر راضی ہو گئی تھی۔ "پتہ ہے گل زریں! ایک بار تم نے شائستہ شنواری سے کہا تھا کہ کاش تم محبت میں اتنی باختیار ہوتی کہ میں تمہارے دل اور تم میری آنکھوں میں ہوتی اور آج گل زریں آج واقعی ہی میں تمہارے دل اور تم میری آنکھوں میں ہو، میرا عشق بھی کامل ہے اور تمہارا حسن بھی کامل ہے۔ یہ سچ ہے گل زریں تم میری محبت تھی تب سے جب ہمارا نکاح ہوا تھا لیکن اظہار کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا تھا جو بھی ہوا اس میں نہ تو تمہارا قصور تھا نہ ہی میرا لیکن سزا ہم دونوں کو ملی۔" اسکے محبت سے لبریز لہجے میں اس اقرارِ محبت پر گل زریں کی آنکھیں بہنے لگیں۔

"آئی ایم سوری۔۔۔۔۔ ریٹی سوری ہمیش خان! میں نے جان بوجھ کر تمہیں کبھی بھی تکلیف دینا نہیں چاہی۔ مریم کے معاملے میں صرف یہی کہوں گی جو بھی کیا وہ میری محبت کی انتہا تھی۔" وہ ایک تسلسل سے رونے لگی تو ہمیش خان نے اسکے آنسو اپنی انگلیوں سے چن لئے۔

"ہم پچھلی باتوں کو بھلا کر نئی زندگی شروع کریں گے اس وعدے کیساتھ کہ کسی غلط فہمی کو دل میں آنے نہیں دیں گے۔" ابھی وہ اور کچھ کہتا لیکن پور دل کی آواز سن کر کہتے کہتے رک گیا۔ "ہمیش لالہ میں نے آپکا کمرہ صاف کر دیا ہے۔" پور دل کی آواز سن کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد آیا تو سوئی ہوئی مریم کو اس نے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔

"ارے یہ کہاں سو گئی؟" وہ اسے اٹھانے کو آگے بڑھی۔

"یہ میرے کمرے میں سو گئی تھی۔ ویسے میں نے پورے دل سے کہہ دیا ہے کہ میرا کمرہ بند کر دے۔" اسکی بات سن کر مریم کو اٹھاری گل زریں چونکی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جناب آٹھ سال ہو گئے تنہا رہتے ہوئے، تنہا کھاتے ہوئے، تنہا سوتے ہوئے۔۔۔۔۔۔"، آخری الفاظ اس نے گل زریں کو دیکھ کر کہے تو وہ جھینپ گئی، "بھئی اتنی خوبصورت بیوی کے ہوتے ہوئے کون کافر تنہا رات بسر کرے۔" وہ بیڈ پر لیٹتے ہوئے بولا تو مریم کسمائی اور گل زریں مریم کو لیکر باہر کی طرف لپکی۔

"اب تم کہاں جا رہی ہو؟" وہ اسے ڈوپتے سے کھینچتے ہوئے بولا۔

"میں۔۔۔ وہ میں۔۔۔ ذرا مریم کو اماں بی کے پاس چھوڑ آؤں۔"

اسکی پر حدت نگاہوں کی تپش سے گل زریں کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھر گئے تھے اور اس نے وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت جانی تھی اور اسکی یہ کیفیت دیکھ کر ہمیش خان کے اندر ایک انہونی سے کیفیت سراپت کر گئی۔

"ذرا جلدی آنا۔" اسے آواز لگاتے ہوئے وہ سوچ ہاتھ کا وفا کے معنی میں جو رنگینی ہے محبت میں اتنا ہی جوش ہے اور محبت کا جوش کائناتِ دل کی دولت کی ایک جھلک ہے اور یہی محبت کی کامرانی ہے۔

دوسری طرف مریم کو گل زریں، بی اماں کے کمرے کی طرف لیجاتے ہوئے صرف اتنا سوچ رہی تھی کہ جب صحرا میں ابر برسے کو تیار ہو جائے تو صحرائی خشک مٹی کو قرار آجاتا ہے۔ ہجر کے لمحوں میں صحرا بارش کے وصال کی تمنا کرتا ہے اور جب اسے وصال سے نوازا دیا جاتا ہے تو پھر دھوپ کی تمازت خود بخود زائل ہو جاتی ہے۔ اسکی جگہ گھناؤنا سایہ اسے یوں آغوز میں لے لیتا ہے جیسے برسوں کا ساتھ ہو اور مسافت حادثوں کی دھول بن کر دیارِ دل سے دور جا بستی ہے۔